سلسلۂ مطبوعات عصمت

نشیب وفراز

تصنیف

مصوّرِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

جسے

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے

عصمت بک ایجنسی دہلی سے شائع کیا

پہلی مرتبہ

فروری ۱۹۳۷ء

فخر نسواں ہند عشرت مہ خاتون اکبر جنت مکانی کی یاد

جوہر نسواں دہلی

زنانہ دستکاری کا ماہوار رسالہ سنہ ۱۹۳۴ع سے جاری ہے

دفتر عصمت دہلی کے اس ماہوار رسالہ میں کشیدہ، کروشیا، جالی، تارکشی، کارچ[وب]
کراس اسٹیچ، سلمہ ستارہ، ربن ہنی، کٹاؤ، اور کپڑوں کی سلائی کٹائی وغیرہ مختلف ق[سم کی]
دستکاریوں کے عمدہ عمدہ نمونے اور مفصل ترکیبیں اور کار آمد ہدایتیں شا[ئع ہوتی ہیں]
جوہر نسواں کے مضامین پھوہڑ لڑکیوں کو بھی سگھڑ اور ہنرمند بنا دیتے ہیں، جو[ہر نسواں کے]
[ق]لمی معاونین ہندوستان کی مشہور دستکار خواتین ہیں اور مقبول و مشہور کتا[بوں کی مصنفہ]
سال میں دو خاص نمبر شائع ہوتے ہیں۔ جو کسی موضوع پر بہترین مستقل کتابیں ہو[تی ہیں]
[رنگین] ٹیٹل نہایت خوبصورت کاغذ چکنا دبیز لکھائی چھپائی مصوری اعلیٰ درجہ
سالانہ چندہ مع محصول دو روپے آٹھ آنے۔ فی پرچہ ۴ر

دفتر عصمت کی کچھ اور کتابیں

سوئی کا کام	عہ/	نغمات موت	۶ر	آئینہ موٹر
موتیوں کا کام	عا/	خانہ داری کے تجربات	۱۲ر	سنگھار خانہ
سلمہ ستارہ کا کام	عا/	گلدستہ تارکشی	عہ/۶	تندرستی ہزار نعمت
اونی کام سلائیوں سے	عہ/۸	مفید نسواں	۸ر	زنانہ بستہ
خواتین کی دستکاریاں	۸ر	جاں باز	۱۲ر	شمع خاموش
کراس اسٹیچ ورک	عہ/۸	دامن باغباں	عہ/	پردہ و تعلیم
جاپانی کہانیاں	عہ/	روحانی شادی	۶ر	صنعت و حرفت۔
مزیدار کہانیاں	۵ر	آئینہ جمال	۱۲ر	زچہ خانہ
شہید وفا	۵ر	افسانہ حرم	۸ر	دودھ کی قیمت
ادب فرزیں	۸ر	فیروزہ	۸ر	تارکشی کا کام

مطبوعہ محبوب المطابع دہلی

نشیب و فراز

ستمبر ۳۵ء میں حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر افسانوں کا جو مجموعہ گرداب حیات کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں نصف سے زیادہ وہ افسانے ہیں جو حضرت علامہ مغفور نے اپنے نام سے شائع نہیں کئے تھے بلکہ عصمت کی ضرورت یا عورتوں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کی غرض سے عورتوں کی طرف سے تحریر فرمائے تھے۔ یہ مختصر مجموعہ بھی (سوائے آخری دو افسانوں کے) اسی قسم کے افسانوں کا ہے۔ اور افسانہ نگاری کا کمال دکھانے کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کو لکھنے کی ترغیب دینے کے لئے عام فہم زبان اور سیدھے سادے پیرایہ میں یہ دو دو تین تین صفحوں کی کہانیاں عورتوں کی طرف سے لکھی گئی تھیں جن سے کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ نکلتا یا کارآمد سبق ملتا ہے۔ اس مجموعہ میں آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی سرگذشت سنائی اور اپنی اپنی زندگی کے چند واقعات یا وہ مشاہدات اور تاثرات بیان کئے ہیں جو نسوانی زندگی کے نشیب و فراز سے متعلق ہیں۔ حضرت علامہ مغفور کے مختصر افسانوں یا کہانیوں کے مجموعوں میں یہ مجموعہ بہت ہی مختصر ہے لیکن لطف زبان طرز بیان اور واقعات کی دلچسپی کے علاوہ جو حضرت مصور غم علیہ الرحمۃ کی ہر تحریر کی خصوصیات ہیں لڑکیوں اور عورتوں کے لئے اس میں نہایت کام کی بہت سی مفید باتیں ہیں۔

۳۰ دسمبر ۱۹۳۶ء

رازق الخیری

فہرست

نصیرہ بیگم کی لوری اور میں

رات کو کوئی تین بجے ہوں گے ہیں بے خبر پڑی سوتی تھی۔ چوہوں نے خبر نہیں کوٹھری میں کیا چیز پھینکی کہ دھماکے سے میری آنکھ کھُل گئی، دیکھتی کیا ہوں نصیرہ بیگم گود کے بچے کو لیئے ٹہل رہی ہیں، اور لوری دے رہی ہیں۔ رات کا وقت پچھلا پہر چاروں طرف سناٹا پہرا دینے والیاں بھی اُن میں جا پڑا۔ لوری تو وہ بچے کو دے رہی تھیں مگر ایک ایک حرف جو ان کے مُنہ سے نکل رہا تھا میرے کلیجہ میں گڑ رہا تھا۔ برس دن کی بیاہی دو مہینے کا بچہ۔ مجھ سے پوچھو تو نصیرہ نگوڑی خود ہی بچہ تھی۔ خدا کی شان تھی کہ بچے کی ماں بن گئی۔ ورنہ اس سے بڑی بڑی عمر والیاں کنواری بیٹھی ہیں۔ مجھے اس وقت خدا کی قدرت یاد آ رہی تھی، کہ بی نصیرہ میرے سامنے پیدا ہوئیں۔ پلیں، بڑھیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے بچی سے بچہ والی ہو گئیں۔ اس کا کنوارپنا ہٹیں، اور ضدیں۔ ایڑیاں، ہچکنیاں سب میری آنکھ کے سامنے تھیں۔

منجھلی بھابی جان کے ہاں چھ بچے ہو کر یہ بچی بچی تھی۔ اللہ بخشے ہر وقت اس کا مُنہ دیکھتے گذرتی تھی۔ کیسی اللہ آمین اور منتوں مرادوں سے پالا ہے، کہ بعض دفعہ آئے گئے تنک نام رکھتے تھے، مگر ان کا عشق کم نہ ہوتا تھا۔ آج وہی بی نصیرہ کا اس کڑکڑاتے

جاڑے میں تین بجے رات کے اس چینچلے کو کندھے سے لگائے ٹہل رہی تھیں، اور لوری دے رہی تھیں۔ اللہ رکھے۔ میاں۔ ساس، نندیں سارا گھر پڑا سوتا تھا مگر کس کی بکری کون ڈالے دانہ گھاس۔ کسے پڑی تھی کہ اس جاڑے پالے میں اپنی نیند غارت کرتا۔ اور نصیرہ بیگم کا ہاتھ بٹاتا۔ اوران کے لال کو بہلاتا۔ نگوڑی کم بخت کو لوری دینی تو خاک آتی تھی، مگر خبر نہیں کب کی سُنی سنائی کان میں پڑی ہوئی ہو گی۔ جو زبان سے نکل رہی تھی۔ جس وقت اس نے یہ لفظ کہے ہیں۔

سو میرے بھولے، سو میرے بالے

اُس وقت میرے دل پر بہت ہی چوٹ لگی۔ اور مجھے خیال آیا کہ یہ وہ جاڑے کی سوتے والی جو آپ ہمیشہ گھوڑے بیچ کر سوتی، آج اس ننھی سی جان کو سُلانے کے لئے اپنی نیند حرام کر رہی ہے۔ اور اس کی کیسی کیسی خوشامدیں کر رہی ہے، جب اس جگہ پہونچی ہے۔

جا ہی پڑو گے دُنیا کے دھندے

کِت پالنا، کِت نیند۔

اُس وقت بی نصیرہ اس کا پورا ثبوت تھیں، دُنیا کے دھندوں نے وہ بے فکری کی نیند، پالنا، اور جھولا سب چھٹا دیا۔

بچہ سو گیا نصیرہ بیگم لیٹ گئیں، مگر اُس وقت میرے سامنے ایک عجیب سماں تھا میں نے سوچا کہ اس غریب کو دُنیا میں داخل ہوئے، ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے۔ مگر اس کی ذمہ داریاں کیسی مشکل اور اس کے فرائض کس قدر دشوار ہیں سچ پوچھو تو عیش و آرام کا زمانہ تو میکے ہی کے دن تھے۔ جو بیت گئے اب تو

مصیبت بھری دنیا سامنے ہے ما لڑکی جس وقت میکے سے روانہ ہو کر سسرال پہونچی اسں وقت بیٹی جیسی رہی اس کا دل جانتا ہو گا یا ما باپ۔ یوں تو بیٹی کیسی ہی کام چور، بگّی خود غرض زبان دراز کیوں نہ ہو۔ اپنی اولاد ہے، مامتا کے مارے جُدائی کا رنج کریں ہی گے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس دن اسں نئے رشتے میں داخل ہوئی یعنی بہو بنی اس دن تک پُرانا رشتہ کیسا نبا ہا۔ یعنے بیٹی کیسی رہی۔ میکے والوں پر کیسا اثر چھوڑ کر گئی۔ ما صرف مامتا ہی کو رو رہی ہے یا اس میں اپنا آرام بھی شامل ہے عزیز اقارب صرف جدائی ہی سے مغموم ہیں یا اس کی بھلی باتیں بھی یاد کر رہے ہیں۔ رنج تو جانور کے بچّے کی بھی جُدائی کا جس کو محنت سے پالتے ہیں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہے سچ پُوچھو کی بیٹی وہ ہے کہ کوارپنے میں ماکو خانہ داری کے کاموں میں اتنی مدد دے کہ گویا وہ سارا گھر آپ ہی سنبھال رہی ہے۔ کیونکہ ماکو چھوٹے بچوں کی پرورش ایک ایسا مشکل اور ذمہ داری کا کام انجام دینا ہے، کہ اگر اس کو کافی وقت ان فرائض کے ادا کرنے کا نہ ملا تو خاندان کو سخت نقصان پہونچے گا۔ کواری بیٹی کو فقط خانہ داری ہی میں مدد دینے کی ضرورت نہیں بلکہ بہن بھائیوں کی پرورش میں ما کا ہاتھ بٹانا ہے۔ بعض ماؤں کو اُس وقت بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ جب ادھر تو دودھ پیتے بچہ کو بہلانا ہوتا ہے۔ اُدھر دوسرا اس سے ذرا بڑا رونا شروع کرتا ہے۔ یہ بڑی بیٹی کا کام ہے۔ کہ ما کی اس تکلیف کو رفع کرے، اور ایک بچّے کو آپ بہلائے۔ اسی طرح اور بہت سے کام ہیں۔ مختصر یہ کہ بیٹیوں کو کوارپنے میں گھر کا اس طرح کام کرنا چاہیئے۔ کہ دیکھنے والے یہ نتیجہ نکالیں کہ اس کے جانے پر گھر کا کاروبار ہی چوپٹ ہو جائے گا۔

یہ تو اپنے گھر کی کیفیت رہی اب عزیزوں، پڑوسیوں، غیروں کے ساتھ کا برتاؤ ہے
کچھ نہ ہو تو اتنا تو ہو کہ رخصت ہو جانے پر جب کبھی ذکر آجائے تو ان لوگوں کی آنکھ سے
آنسو اور دل سے ٹھنڈا سانس نہیں تو زبان سے تو اتنا نکل جائے کہ "بیٹی ہو تو اس جیسی
جب بولی میٹھی زبان سے، اور جب ملی ٹھنڈے دل سے!"

اندھے دھندوں کی خدمت، لنگڑے لولوں کا کام، بیمار اپاہجوں سے اچھا سلوک
اپنوں سے محبت، غیروں سے یگانگت، غرض کچھ ایسی یادگار چھوڑ جائے کہ
کہنے کو ایک ماں کی بیٹی ہو مگر کنبہ بھر کی بیٹی سمجھی جائے۔

اتنا تو میں ضرور سمجھ گئی کہ نصیرہ کو ممتا کی کیفیت اس وقت معلوم ہوئی ہوگی
کہ کس مصیبت سے بچے پلتے ہیں۔ کیونکہ ماں کی قدر اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب
لڑکی خود ماں بنے۔ دو بالشت کے بچے کو گز بھر کا کرنے میں کیا کیا آفتیں جھیلنی پڑتی
ہیں۔ اور کیسی کیسی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اِس کو تو وہی خوب سمجھ سکتا ہے
جس پر آپ گذرے، ایسی مشکل اور ایسی دقّت سے بچہ پل بلا کر کسی قابل ہوئیا
اور ماں باپ کے سامنے کڑک کر بولیں تو والدین کا دل کیا کہتا ہوگا۔ جس وقت
منجھلی بھابی جان بی نصیرہ کے پیچھے پیچھے کھانا لیے پھرتی تھیں، اور یہ آنکھ اُٹھا کر
نہ دیکھتی تھی، وہ دن مجھ کو اس وقت یاد آرہے تھے، اب بی نصیرہ سمجھی ہونگی
کہ وہ کیا دل تھا جو میری جھڑکیاں۔ اور گھرکیاں سنتا تھا، اور پھر بھی پروانہ تھی،
اِن تمام باتوں پر غور کرتے کرتے مجھے خیال آیا کہ بیٹیوں سے زیادہ بدنصیب
کون ہوگا۔ میکے میں رہیں تو اس طرح کہ امّا باوا کی دُر دُر پھٹ پھٹ، بہن بھائیوں
کے کوسنے فضیحتیاں۔ سسرال پہنچیں تو میاں کی خدمت، ساس نندوں کی

طعن تشنیع اور پھر بچوں کا پالنا۔ غرض ساری عمر میں چین کا زمانہ کوئی بھی نہیں۔ اطمینان کے دن اگر ہیں تو کوارپنے ہی کے مگر وہاں بھی بیٹیوں کے مقابلے میں ان بھاری پتھروں کو کون دیکھتا ہے۔ آنکھ جب پڑے گی چمکتے ہوئے لالوں پر۔ ماں باپ کی خدمت کی تو اس کا معاوضہ یہ ملا۔ بیاہی بیٹی پڑوسن داخل، میاں کی اطاعت فرمانبرداری کی تو یہ سُنا کہ تم نے اپنا فرض ادا کیا۔ بچوں پر جان قربان کی تو جب تک وہ محتاج رہے۔ اُس وقت تک تو چُپکے رہے اور جب کسی لائق ہوئے تو شیر کی طرح غرّا کر آئے۔ غرض جو سودا کیا وہ ٹوٹے کا اور جو خدمت کی وہ گھاٹے کی۔ باوجود اس کے یہ توقع ہے کہ شاید منصف مزاج مردوں کو ہم پر رحم آئے اور وہ دیکھیں کہ آخر ہم بھی انسان ہیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا ہم سے مقابلہ کریں۔ ہم اس واسطے پیدا نہیں ہوئے کہ عمر بھر پاپڑ بیلیں اور نتیجہ یہ ملے کہ دنیا بھر میں بدنام اور بے وقوف مشہور ہوں۔ ہمیں خدمت سے انکار نہیں محنت سے جی نہیں چُراتے۔ غرض صرف اتنی ہے کہ منصف مزاج مرد خواہ مخواہ کے چھدے نہ ڈھونڈھیں۔ اور اس وجہ سے کہ فلاں شخص کا یہ مقولہ ہے ہم کو بدنام نہ کریں اپنی عقل لڑائیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں، اگر قدردانی ہو گی، تو ہم سمجھیں گے سب کچھ بھر پایا۔

عصمت ۱۹۱۰ء

معزز قیدی

مجھ کو اس مہینہ میں اپنی ایک سہیلی سے ملنے کا اتفاق ہوا، یہ سہارن پور بیاہی گئی ہیں، شوہر کو بے حد محبت ہے، اپنے گھر میں بہت خوش خرم ہیں آمدنی بھی خاصی ہے۔ لیکن خبر نہیں یہ عیب ہے یا ثواب کہ میاں دم بھر کو بھی بیوی کو کہیں جانے کی اجازت نہیں دیتے، جس دن سے گئی ہیں، حالانکہ نکاح کے دوسرے ہی روز چلی گئی تھیں۔ صرف ایک دفعہ کوئی تین مہینہ بعد چار روز کے واسطے آئی تھیں، شادی کو تین برس ہو چکے ہیں میکے کے نام کو ترستی ہیں، اور بالکل اس بلبل کی طرح زندگی بسر کر رہی ہیں، جو چاندی سونے کے پنجرے میں قید ہو، اور روپہلی سنہری کلیوں میں دانہ پانی ملے! میرٹھ سے سہارن پور کچھ زیادہ دور نہیں۔ تین چار گھنٹہ کا راستہ ہے۔ مگر ہماری زندگیاں بھی عجیب زندگیاں ہیں، ریل کا سفر تو دور رہا شہر کے شہر میں بھی کہیں آنے جانے کا ارادہ کریں تو پورا ہونے کے واسطے آٹھ دن چاہئیں مردوں کی طرح نہیں کہ ادھر ارادہ کیا ادھر پورا، اس کی وجہ کچھ پردہ وغیرہ نہیں بلکہ محض ہماری لاپرواہی ہے، کنواریاں تو اس لیے مجبور ہیں کہ وہ دنیا کے نشیب و فراز سے ناواقف۔ والدین کے پاس دوسرے کی امانت ہیں سوسائٹی کی حالت قابل اصلاح طرز تمدن لایق تغیر، والدین بھی معذور ہیں کہ رات دن ان کی

آنکھیں اور کان ایسے واقعات دیکھتے اور سُنتے رہتے ہیں، کہ جو ناگفتہ بہ ہیں، ایسی حالت میں اگر وہ لڑکیوں کو آنکھ سے اوجھل نہ کریں تو قابل ملامت نہیں رہی بیاہی ہوئی لڑکیاں اُن کو اگر وہ مابن چکی ہیں، تو بچوں کی پرورش سے۔ ورنہ شوہر کی خدمت اور خانہ داری کی ضرورت سے اتنی فرصت کہاں کہ کچھ وقت نکال کر صرف اپنی فرحت اور مسرّت کے واسطے کہیں آ جا سکیں، میں خوش قسمتی سے بیوی بھی ہوں اور ما بھی، اور یہ دونوں نعمتیں مجھ کو پچھلے ہی پانچ سال میں حاصل ہوئی ہیں اس لئے میرا بھی صرف ایک سہیلی سے ملنے جا سکنا بہت ہی مشکل تھا، لیکن اتفاق سے بڑے بھائی صاحب کا تبادلہ لاھور سے سہارن پور ہوا، اور اس سلسلہ میں، میں بھی وہاں گئی۔ جانے سے پہلے جس قدر خوشی مجھ کو بھائی صاحب کے ہاں جانے کی تھی، اس سے کم انجمن آرا یعنی اپنی سہیلی سے ملنے کی نہ تھی رستے بھر اسی ملاقات کی دھن میں محو تھی مگر گھر پہونچنے کے بعد وہی نسوانی چکر چھ روز تک باہر نکلنے کی فرصت نہ ہوئی انجمن تو پہلے ہی معزز قیدی تھیں وہ کس طرح چھٹکارا پا سکتی تھیں، مختصر یہ ہے کہ میں ساتویں روز ان کے ہاں گئی اطلاع دے دی تھی ان کے شوہر پہلے سے باہر کھڑے تھے، نہایت گرمجوشی سے میرا استقبال کیا۔ اور وہ جو کہتے ہیں، کہ آنکھیں بچھا دیں، وہی اُنہوں نے کیا، انجمن بھی نہایت اعلیٰ کپڑے، اور قیمتی زیور پہنے مجھ سے ملنے کو تیار بیٹھی تھیں بہت ہی محبّت سے ملیں اور دیر تک ادہر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے جب شام ہو گئی تو انجمن سے کہا "اب تم میرے ساتھ چلو کل چلی آنا۔ تمہارے شوہر بظاہر معقول اور خلیق آدمی معلوم ہوتے ہیں مجھے امید ہے کہ وہ اس کو ناپسند نہ کریں گے" اس پر انجمن مسکرائیں، اور کہا

"اچھی بات ہے" میں تیار ہوئی اور کہا "تم اپنے شوہر سے دریافت کرلو"۔ اب ان کی مُسکراہٹ افسردگی سے بدل گئی، اور ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "بہن بس یہی تو ایک وہ صدمہ ہے، جس کو میں اپنے ساتھ قبر میں لے جاؤں گی، خدا کا شکر ہے، ہر طرح سے خوش ہوں، کھانے کی جگہ کھانا ہے، کپڑے کی جگہ کپڑا، زیور کی جگہ زیور، نوکر چاکر عیش وآرام سب کچھ میسّر ہے، مگر قید میں ہوں، کہ دم بھر کو نہ کہیں جاسکتی ہوں نہ آسکتی ہوں، امّاجان کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں، بہن بھائیوں کے دیکھنے کو جی تڑپ رہا ہے، مگر نہیں جاسکتی"۔ غالباً ایسی زندگی اور بھی بعض بہنوں کی ہوگی، اس لیئے ہم کو مردوں سے یہ دریافت کرنے کا حق حاصل ہے، کہ جس طرح وہ اپنی بیویوں کو کہیں جانے آنے اور ملنے جُلنے کی اجازت نہیں دیتے کیا اسی طرح وہ اپنے جانے آنے، اور ملنے جلنے میں بھی احتیاط کرتے ہیں، اگر وہ محض محبّت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تو کیا محبت کے یہی معنی ہیں کہ محبوب کو تکلیف ہو؟ کیا کسی شخص کی زندگی میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دینا کہ وہ اپنے ان تمام عزیزوں کو جہاں وہ ہمیشہ رہا سہا ترس جائے؟ کوئی اچھا کام ہے؟ اگر مرد بھی اس طرح اپنی ماںبہنوں، اور عزیزوں کو ترس جائیں تو ان کے دِل پر کیا گذرے۔

عصمت ۱۷ ۱۹ء

روزہ دار ماما

کل شام کو جب خدائے پاک کی رحمت افطار کے وقت اپنے بندوں پر نازل ہو رہی تھی، تو میری ماما شفیعن نے بھی اپنی دس برس کی بچّی کے ساتھ روزہ کھولا میں بیمار تو نہیں ہوں، مگر اس خیال سے کہ بیمار نہ ہو جاؤں روزہ نہیں رکھتی اور میں ہی کیا بچّے اور ان کے ابا بھی روزوں کے بہت ہی کچّے ہیں، غرض ہمارے گھر میں صرف یہی دو ماں بیٹیاں روزہ سے تھیں گرمی چونکہ زیادہ تھی میں سویرے ہی سے اوپر چلی گئی۔ سرکار یوں تو جلدی آ جاتے ہیں، لیکن ادھر موذن نے "اللہ اکبر" کہا اودھر وہ گھر میں داخل ہوئے، ماما ایک اور بھی ہے، مگر وہ نکل نہ آئی اور ایک ہی بیچاری شفیعن موجود تھی ماما اس نے جلدی جلدی صراحیاں رکھیں برتن لائی بچھونے بچھائے، بڑھیا کیسی ہمت والی ہو پھر بھی بدن میں جان نہ تھی، لڑکی کی مدد سے سارا کام سمیٹ رہی تھی۔ ڈیڑھ آدمی اور گھر کا یہ کچھ کام کاج، رات کے دس بج گئے، اور دونوں ماں بیٹیوں کو بیٹھنا نصیب نہ ہوا، ایک ٹانگ سے پھرتی رہیں، کہیں دس بجے جا کر ذرا فرصت ہوئی، تو میں نے ان کو بھی روٹی دی، یہ دونو کھانے بیٹھیں اور میں لیٹنے۔ سرکار نے پانی مانگا پلا کر آ رہی تھی۔ صحن میں نظر پڑی تو چاندنی رات میں یہ دونو کی دونوں نہایت مگن ہنس ہنس کر کھانا کھا رہی تھیں۔ ٹھٹک گئی، اور دیکھتی رہی۔ ان کے چہرے مطمئن تھے، ان کے دل

بشاش، اور ان کی صورتیں ہشاش بشاش کان لگا کر سُنا تو بڑ ھیا کہہ رہی تھی "بیٹی آج چوبیس تو ہو ہی گئے اگلے برس خبر نہیں کون جیتا ہے، کون مرتا۔ جن کی تقدیروں میں ہے وہ پھر رکھ لیں گے"

بیٹی۔ "اماں! اللہ کرے چاند تیس کا ہو کہ ہمارے پورے تیس ہو جائیں۔"

مجھ کو خیال آیا کہ کیا خدا کی شان ہے۔ مجھ کو کبھی یہ خوشی میسر نہیں ہوتی جو ان دونوں کو ہر روز اور ہر لمحہ میسر ہوتی ہے، حالانکہ یہ میرا ہاتھ تکنے والی میری محتاج میری نوکر مہینہ میں تین روپیہ پانے والی اس قدر خوش اور مہینہ میں ڈھائی سو پانے والی ہر وقت حیران و پریشان !!

ان ہی خیالات میں اُلجھی ہوئی آئی اور لیٹ گئی نیند مطلق نہ آئی، لیکن اس خیال نے دل میں ایک کرید نئی پیدا کر دی انسان کے دل میں اچھی اور بُری دونوں طاقتیں موجود ہیں، اس کو اختیار ہے جس سے چاہے کام لے اُس وقت خود میرے دل کی بھلائی میرے سامنے آئی، اور اس طرح کہا۔ بیوی! اُو لجھنے اور سوچنے کی کیا بات ہے، وہ کیوں نہ خوش ہوتی، اِس نے اپنا فرضِ منصبی ادا ادا کیا۔ خدا کے پاک حکم کی تعمیل کی، اور اس تعمیل کے بعد اس کے دل میں وہ مسرت اور سچی خوشی نمودار ہوئی جس کا پتہ بھی تمہاری جھوٹی خوشیوں میں نہیں ہے خدا کے حکم کی تعمیل کے بعد اس نے اپنا دنیوی فرض کس خوبی سے ادا کیا اس لئے کہ تمہاری ملازم ہے، اور تنخواہ پاتی ہے، باوجود روزہ دار ہونے کے خود اطمینان سے نہ بیٹھی، اور تمہارے سارے کام بھگتا دیئے۔ بچی کی تربیت بھی ایسی کی جو انسانیت کا سب سے بڑا فرض تھا، خدا کی عظمت اس کے ذہن نشین کی دنیا کا فرضِ منصبی

یعنی ملازمت کی ذمہ داری دکھانے کے واسطے خود نمونہ بنی۔ وہ کیوں رنجیدہ ہوتی۔ مگر افسوس ہے تمہارے اوپر کہ مسلمان ہو کر کبھی بھول کر بھی روزہ نہ رکھو اور یہ سمجھو کہ اس کے بدلے خیرات کر دیں گے اس پر یہ ستم کہ دوسرے مسلمان روزہ دار کی مطلق رعایت نہ کرو۔ اور اپنے کام میں فرق نہ آنے دو۔ دنیا میں تو تم نے اپنے سے زیادہ اس کو خوش دیکھ کر اتنا کچھ رنج کیا۔ ابھی تو عاقبت کا نتیجہ بھی دیکھنا ہے۔ جہاں اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔ اور تم سرنگوں کھڑی ہو گی۔

حق کو جو ناپسند ہو تف ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

عصمت ۱۹۱۷ء

بُلبُلِ اسیر

اگر تمہارے دل میرے واقعات سے عبرت حاصل کر سکیں، اگر تمہارے دماغ میرے انقلاب سے کچھ سبق سیکھنا پسند کریں، اگر تمہاری طبیعتوں میں قدرت کی نیرنگیوں سے کچھ دلچسپی ہو تو میری داستان سے نتیجہ نکالو، میں اس وقت تمہاری قید میں ہوں، اور یہاں مدتیں قید میں ہو گئیں نیم کا پودہ جو میرے سامنے اس انگنائی میں لگایا گیا تھا، نبولیاں دے رہا ہے، جب یہاں آئی تو اس وقت بھی بچہ نہ تھی دُنیا کی مخلوق میں مجھ سے ترقی ہو چکی تھی خانہ داری کے کاروبار مجھ سے انجام پا چکے تھے، شوہر کی خدمت و عظمت کا فخر مجھے حاصل ہو چکا تھا، کوار پنے کی آزادی میں نے دیکھی، بے فکری کی نیندیں میں سوئی۔ غرض دنیا کی کوئی بہار اور قدرت کا کوئی کرشمہ ایسا نہ تھا، جس کا لطف میں نے نہ اُٹھایا ہو، پہاڑ کی بلند چوٹی پر ہمارا آشیانہ تھا، جہاں رات دن ٹھنڈی، اور میٹھی ہوا ہمارے دل ٹھنڈے کرتی، آبشار ہمارے سامنے گرتے، دریا ہمارے سامنے لہریں لیتا، اودی اودی گھٹائیں برس برس کر کھلتیں اور کالے کالے بادل جھوم جھوم کر آتے برسات کی اندھیری راتوں میں ہمارا گھسولنا ہوا کی گود میں جھولتا، اور چودھویں کی چاندنی رات میں ماہتاب کی روشنی ہمارے مکان کو منوّر کرتی، مگر جب اِس انقلاب کا وقت آیا جس کو

قدرت نے ہماری تقدیروں میں لکھ دیا تھا۔ تو وہ صحبتیں آناً فاناً۔ درہم برہم ہوگئیں خزاں نے پہاڑ کی سرسبز چوٹیوں کو خاک آلود کردیا۔ رنگین اور شاداب پودے مرجھا گئے، اور بار آور درخت جو پھلوں سے لدے ہوئے تھے ٹھنڈے ہوگئے، چاندنی راتیں اندھیری گھُپ ہوگئیں، اور سبزہ زار مرغزاروں میں خاک اُڑنے لگی۔

میری زندگی کا وہ روشن، اور یہ تاریک پہلو تھا۔ لیکن اس پر غضب۔ وہ رات تھی جس کی ابتدا نے ہمارے مدتوں کے مرجھائے ہوئے کنول کھلا دیئے مگر انتہا نے مصیبتوں کا خاتمہ کردیا۔ خزاں ہماری اُمنگوں کو فنا اور انقلاب ہماری خواہشوں کو ختم کرچکا تھا۔ شام ہو چکی تھی، اور ہم میاں بیوی اور تین بچے اپنے گھونسلے میں سونے کی تیاریاں کر رہے تھے، کہ آسمان نے کروٹ لی سیاہ گھٹا مشرق سے اٹھی، اور ہماری مشتاق آنکھیں جو مدت سے اس منظر کو ترسی ہوئی تھیں بیتاب ہوگئیں۔ رات بھر موسلا دھار بارش ہوئی۔ بادل دھائیں دھائیں گرجا، مگر صبح کے وقت بجلی نے ہمارے اوسان باختہ کردیے۔ ظالم چمک چمک کر ہمارے آشیانہ پر آرہی تھی، اور ہم پانچوں خاموش بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے، ہمارے ننھے ننھے کلیجے دھڑک گئے، اور ہم اپنے گھر کو خدا کے سپرد کر کے نکل کھڑے ہوئے، دن برآمد ہو چکا تھا، مگر ظالم بجلی کی رفتار بدستور تھی، دفعۃً زور کا ایک دھماکا ہوا۔ اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی جب مجھ کو ہوش آیا تو ایک ظالم صیاد کی مٹھی میں تھی، اور میری بدبخت آنکھیں اپنے شوہر، اور

بچوں کی صورت کا آخری منظر دیکھتی ہوئی ہمیشہ کو ان کے دیدار سے محروم ہوگئیں۔

تھوڑی سی خوشی پر بشاش، اور خفیف سے رنج پر پریشان ہونے والی بیویوں زندگی خزاں و بہار کا مجموعہ ہے۔ مجھ کو دیکھو۔ اور سمجھو کہ میں کیا ہوں۔

میں وہ ہوں کہ آج اس خزاں کو بھی ترس رہی ہوں۔

عصمت ۔ ۱۷ ۱۹ء

فضول خرچی کا انجام

میں اُن چند عورتوں میں سے ہوں جنھوں نے دنیا میں آنکھ کھول کر کبھی تکلیف کی صورت ہی نہ دیکھی۔ میکے میں تو شاید یہ سبب تھا، کہ میں ماں باپ ہی کی اکلوتی نہیں، کنبہ بھر میں اکیلی لڑکی تھی۔ مگر خوش قسمتی سے شوہر بھی مجھ کو ایسا ملا جس نے میکے کی یاد دل سے بھلا دی۔ خدا اُن کو کروٹ کروٹ بہشت نصیب کرے۔ ایسے مال دار بھی نہ تھے۔ مگر خدا گھر دے تو ایسا اور بر دے تو اُن جیسا۔ اُن کی انسانیت ایسی تھی کہ دنیا کے تمام عیش اس پر قربان ہوں، وہ سو روپیہ ماہوار کے ملازم تھے۔ لیکن پردیس کا معاملہ۔ پانچ چھ بچوں کا ساتھ، مکان کا کرایہ۔ گاڑی کا خرچ سب اُس میں تھا۔ اُن بچا واسطہ تنخواہ سے صرف اتنا تھا کہ کچہری سے لائے، اور مجھ کو لا کر دے دی۔ میں اپنی طرف سے تو بہت کوشش کرتی تھی، کہ اس میں سے کچھ بچاؤں مگر پندرہ بیس روپیہ مہینہ تو گیارہویں کی نیاز۔ جمعرات کی روٹیاں۔ اور پیرجی کی خدمت میں صرف ہو جاتا پچیس ہی تاریخ یہ کیفیت ہو جاتی کہ روپیہ تو درکنار گھر میں پیسہ بھی نہ ہوتا۔ میں پہلے کہہ چکی ہوں، کہ اُن کو اِن باتوں سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ فاقہ میں وہ خوش تھے، دال میں چونچال۔ ادبار میں مگن، اور روکھی میں بشّاش۔

میں فیض آباد کے ضلع میں سولہ برس کے قریب رہی مگر پنشن ہوئی ہے۔ تو چلتے وقت ریل کا کرایہ تک پاس نہ تھا۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ چپکے ہی چپکے میں نے جو قرضہ مہاجنوں سے کیا اس کی تعداد چھ سو تک پہونچ چکی تھی۔ نوکری تک تو اور بھرم تھا۔ پنشن کی خبر ہوتے ہی تقاضے ہونے شروع ہو گئے۔ بلکہ عین اُس روز جبکہ ہم سب اپنے وطن سیالکوٹ آنے تھے۔ ایک شخص نالش کرکے قرقی لے آیا۔ اس وقت ہمارے گھر میں اللہ کا نام تھا۔ انھوں نے مجھ سے آکر ذکر کیا۔ اور جب میں نے آنکھیں نیچی کرلیں سوناچپکے اُٹھ باہر چلے گئے۔ اور غیرت کے مارے پھر کسی کو منہ نہ دکھایا۔ اور مسجد کے کنوئیں میں گرکر دنیا سے سدھار گئے۔

اب میں محض اپنے کرتوتوں سے دنیا کی بدنصیب عورتوں میں سے ہوں۔ اور صرف اس لیے زندہ ہوں۔ کہ بہنیں مجھے دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اور یقین کرلیں۔ کہ فضول خرچی نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔

عصمت ۔ ۱۹۱۵ء۔

بے شک امّاں جان نے غلطی کی

میں یہ نہیں کہتی کہ امّاں جان میری جان کی دشمن ہیں، وہ دشمن ہوں گی، تو دوست کون ہوگا۔ مگر خدا کی مار اس ہندوستان کے تمدن کو جس نے مرد کو آسمان پر پہونچا دیا۔ اور عورت کو زمین میں گھسیڑ دیا۔ جس مرد سے سنو "ہم عورت کے حاکم" جس شوہر سے پوچھو "ہم بیوی کے آقا" حکومت، اور ملکیت کیا ہوئی، وبالِ جان ہوگئی، میں خدانخواستہ قدرت پر منہ نہیں آتی، عورت کا وجود دنیا کے کارخانے قائم رہنے کے واسطے ضروری، بے شک ضروری تھا مگر اس کے کیا معنی کہ جس گھر میں دیکھو کواری بیٹیوں کی دیوار چنی ہوئی ہے اور کوئی جھوٹ موٹ بھی آکر بات نہیں پوچھتا حالانکہ ضرورت یہ تھی کہ ہر لڑکی کے واسطے کئی کئی پیغام آنے شروع ہو جاتے، خیر مختصر یہ کہ میں بھی ان ہی بدنصیبوں میں سے ایک ہوں، جو انیس برس تک کواری رہی، اور پیغام تو درکنار کسی نے آکر یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس گھر میں کوئی کواری بیٹی ہے، یا نہیں آخر خدا خدا کرکے ایک صاحب کو پتہ لگا وہ خدا کی عنایت سے دو بیبیوں کو طلاق دے چکے تھے۔ اور تیسری چھوڑے بیٹھے۔ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی آمدنی زمینداری کی تھی، مگر تعلیم سے ہزاروں کوس دور، وہی اگلے زمانہ کے خواب، میں سرشار تھے کہ بیوی کو سجدہ کرنا ہوتا، تو شوہر کو کرتی، ایسی حالت میں

کہ میری عمر یہ کچھ ہو گئی تھی، بدنصیب ہوتا نہ تھا، اماجان کو یہ پیغام نعمت ہو گیا اس پر مشاطہ نے وہ آسمان زمین کے قلابے ملائے۔ کہ اماں جھٹ راضی ہو گئیں مرد کوئی موجود نہ تھا، جو اچھی طرح چھان بین کرتا، نتیجہ یہ ہوا کہ میں ان حضرت کے پلے باندھ دی گئی۔ تین دن تو اچھی طرح گذرے، چوتھے روز انہوں نے فرمایا کہ "ہم تو بیوی کے ہاتھ کی روٹی کھاتے ہیں" میں گو یتیم تھی، بھائی بہن کوئی سر پر نہ تھا، مگر پھر بھی تھیلدار کی بیٹی تھی، تعمیل تو کی، مگر یہ کلمہ مجھے اچھا نہ معلوم ہوا۔ کھانے کی کرتو میرے پیچھے ایسی لگی۔ کہ آج تک اس مصیبت میں گرفتار ہوں۔ چار لڑکے ہیں۔ تین لڑکیاں ما نوکر چاکر تو در کنار کوئی دور پرے کی رشتہ دار بھی ایسی نہیں جو ہاتھ بٹائے۔ شوہر صاحب کی کیفیت یہ ہے۔ کہ صبح پانچ بجے سے رات کے گیارہ بارہ بجے تک ایک ٹانگ سے پھروں، مگر ان کا کسی طرح مزاج ہی نہیں ملتا۔ پرسوں میرے سر میں شدت کا درد تھا، اور خفیف بخار بھی تھا زیادہ انتظار نہ کر سکی۔ گرم روٹی جوان کے واسطے پکایا کرتی تھی۔ وہ پہلے سے پکائی جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ انہوں نے تمام کھانا اٹھا صحن میں پھینک دیا۔ میں نے اپنی زندگی سے جو سبق لیا وہ یہ ہے۔ کہ لڑکا چاہے کتنا ہی دولت مند ہو مگر لڑکی کے والدین فقیر پڑھے لکھے کو کروڑپتی جاہل پر ترجیح دیں۔

عصمت ۱۹۱۶ء

سوکن کی نصیحت

انور جہان بیگم کا زمانہ آج پندرہ برس گذر جانے پر بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ سچ مچ کی بیگم تھی۔ تعلقدار کی بیٹی، رسالدار کی پوتی، چالیس ہزار کی جائداد جہیز میں لائی۔ دو لونڈیاں، دو دو مامائیں، میکے کی، تین چار سسرال کی، ایک ہوں پر سات آٹھ نوکر ہاتھ باندھے طیار۔ کیا سرکار تھی کہ کبھی کسی کا سوال رد ہی نہ کیا۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ انوری دربار دو چار نہیں ہزاروں بیواؤں کو مالا مال کر گیا۔ انوری فیض ایک دریا تھا کہ بہہ رہا تھا اور خلق اللہ سیراب ہو رہی تھی رانڈوں اور یتیموں کا صبح سے شام تک ایک تانتا بندھا رہتا تھا اور وہ مرنے والی کپڑا۔ اناج۔ روپیہ پیسہ اس طرح لٹاتی کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے۔

میرے ابا جان کہنے کو تو پچاس روپے کے داروغہ تھے۔ مگر کچھ ایسے لکھ لٹ کہ مرنے کے بعد دا شت کریدنے کو تنکا تک نہ چھوڑا۔

ہزار پانسو کا جو اثاثہ تھا، وہ ان کی بیماری میں خال سے لگ گیا ایک گھوڑا باقی تھا، وہ گور گڑھے کی نذر ہوا۔

مہینہ بھر بھی مشکل سے گذرا ہو گا کہ ہم دونو ماں بیٹیوں پر دو دو وقت کے فاقہ گذرنے لگے، اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اماں جان نوکری کی تلاش میں

گھر سے باہر نکلیں، اور نورجہان بیگم کے حضور میں حاضر ہوئیں۔ میری عمر اُس وقت نو برس کی ہوگی، مگر واہ رے بیگم! اماں جان کی صورت دیکھتے ہی ان کی حالت تاڑ گئیں اور مصاحبوں میں رکھ لیا، اچھے سے اچھا کھانا عمدہ سے عمدہ کپڑا ہم کو ملتا تھا، اور ہم ہنسی خوشی اُس جنتی بیگم کے ہاں رہتے سہتے تھے۔

خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے۔ کہ ایک دن برسات کے موسم میں انورجہاں بیگم نے سیر کا ارادہ کیا۔ زبان سے نکلنے کی دیر تھی، اسی وقت سرکار نے انتظام کر دیا۔ گاڑیاں تیار ہوئیں طرح طرح کے کھانے ساتھ ہوئے۔ اور انوری بیگم کی سواری قطب مینار کی سیر کو روانہ ہوئی۔

ہم ایک عالیشان کوٹھی میں جس کے چاروں طرف باغ لگا ہوا تھا جا کر اُترے پھولوں کی مہک دماغ تازہ کر رہی تھی، چار بجے کے قریب انورجہان بیگم باہر نکلیں، اور جھرنے کی طرف چلیں۔ کالی گھٹا چاروں طرف چھائی ہوئی تھی، کوئل کوک رہی تھی پپیہا الاپ رہا تھا۔ کیا پُر لطف وقت، اور سہانا سماں تھا کہ پتّہ پتّہ بہار کا پتہ دے رہا تھا۔

ہم سب انورجہاں بیگم کو جس کے دم سے یہ تمام سماں تھا، دل سے دعا دے رہے تھے۔ اور وہ انسانی حور ہم کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھی۔

عصر کی اذان ہوا میں گونجی، اور ہم سب نے جھرنے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر وضو کیا۔ خواص آفتابہ لے کر حاضر ہوئی۔ بیگم نے وضو کیا۔ اور نماز سے فارغ ہو کر سرکار جھرنے کے اوپر چڑھے، بیگم کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا، ہم سب نیچے تھے، اور یہ دونو آفتاب و ماہتاب قدرت کی بہاروں کا مزہ لوٹ رہے تھے،

جھرنے کی سطح نیچی تھی اور باغ کی کرسی بلند گلاب کے خوش رنگ پھول جُھک جُھک کر ہماری بیگم کے پاؤں چُوم رہے تھے۔ وقت کی بات تھی، کہ بیگم ایک پھول توڑنے کو آگے بڑھیں، ہوا کی سرسراہٹ پھول کو لے گئی اور بدقسمتی سے بیگم نے بھی ہاتھ بڑھا دیا۔ پاؤں رپٹا، اور وہ پیاری بیگم جس کے ساتھ بیسیوں دلوں کی دعائیں تھیں نیچے جا پڑی ،،

کیسی سیر اور کس کی تفریح تہلکہ مچ گیا۔ جوں توں اُٹھا کر گاڑی میں لٹایا، اور روتے دھوتے گھر لائے، ڈاکٹر حکیم، وید، رات بھر ایک تانتا بندھا رہا۔ دماغ میں چوٹ سخت آئی تھی، حالت درست ہوئی مگر دماغ میں کچھ خلل آگیا جب سرکار کو یقین ہو گیا۔ کہ اب بیگم بے کار ہوئیں تو دوسرے نکاح کا قصد کیا۔ نزلہ برعضو ضعیف، میری عمر اُس وقت سولہ برس کی تھی۔ لے دے کر ایک میں ہی دکھائی دی، اماں جان کو میرے نکاح کا پیام دیا ہماری حیثیت نوکروں کی تھی، اماں جان کو یہ درخواست نعمت ہوگئی، اور جھٹ پٹ نکاح ہو گیا۔

میرا تعجب یہ دیکھ کر روز بروز نہیں لحہ بہ لحہ بڑھتا گیا، کہ سرکار تو بیگم اور دونو لڑکیوں کو دل سے بُھلا مجھ پر ایسے مائل ہُوئے کہ دم بھر نہ دیکھتے تو بے چین ہو جاتے۔ میں نا تجربہ کار ضرور تھی، مگر بچہ نہ تھی سرکار کی عنایت پر آپے سے باہر نہ ہوئی، کہ بیگم یا بچوں سے غافل ہو جاتی۔ ابتدا میں تو سرکار گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے واسطے جہاں بڑی بیوی رہتی تھیں چلے بھی جاتے تھے۔ مگر پھر تو کھڑے کھڑے جانا بھی قسم ہو گیا، بڑا بچہ عابد تو خیر سیانا تھا، مگر چھوٹا ساجد چار برس کی جان، جو باپ سے بہت ہی مانوس تھا اکثر ادھر ہی کھیلا کرتا، میری محبت کی

زیادتی کے ساتھ اس کی محبت میں سرکار کی کمی ہوتی گئی، اور نوبت یہاں تک پہونچی، کہ اس کا آنا بھی اُن کو ناگوار ہونے لگا۔

میری شادی کو اب چار برس کے قریب ہو گئے تھے، میں بھی دو تین بچوں کی ماں تھی پہلوٹھی کا لڑکا زاھد جس پر سرکار ریپ وانہ تھے، تیسرے برس میں تھا۔ اب بیگم اور ان کے بچوں کے ساتھ میرے تعلقات میں بھی آسمان زمین کا فرق ہو گیا۔ بیگم کچھ خدانخواستہ دیوانی نہ تھیں، کہ سمجھتی نہوں۔ ہاں دماغ پر اتنا اثر تھا، کہ کبھی کبھار دورہ ہو جاتا تھا۔ اور چند گھنٹوں کے واسطے بے کار ہو جاتیں، وہ میری ترقی اور اپنی حالت زار پر اکثر روتیں۔ ان کو گھر کے خاص حصہ میں جس کا ایک ایک کونہ ان کے قدموں کا ممنون تھا آنے کا حکم نہ تھا۔ میں مہینہ میں ایک آدہ دفعہ، وہ بھی جب جی گھبراتا، تزک و احتشام سے ان کے گھر میں چلی جاتی اور اپنا ٹھاٹھ دکھا، دل پر ایک زبردست چرکا بٹھا، چلی آتی۔

زاھد کی پانچویں سالگرہ کا دن آیا عید کی دوسری تاریخ مقرر ہوئی دُور دُور سے مہمان آنے شروع ہوئے، پانچ ہزار روپیہ کا تخمینہ تھا، انواع واقسام کے کھانے تیار ہو رہے تھے، ڈومنیاں، میراسنیں۔ ہیجڑے، بھانڈ۔ تین دن تک دن عید رات شب برات تھی۔

تیسرے دن شام کے وقت جب میں زیورا اور لباس میں گوندنی کی طرح ٹوٹ رہی تھی، چوتھی کی دُلہن تھی، بانو سرجہان بیگم کے پاس پہونچی۔ وہ میرے استقبال کو آگے بڑھیں۔ ہاتھ ملایا، اور سر سے پاؤں تک محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"حسن النسا بیگم! خدا تمہارے اقبال میں ترقی اور سہاگ میں برکت دے، مگر بیگم یہ یاد رکھنا جو کچھ بھی دیکھ رہی ہو کاغذ کی ناؤ ہے۔ یہ حالت سدا رہنے والی نہیں، بادشاہ ہارون رشید کو ایک بزرگ نے نصیحت کی تھی کہ ہارون سلطنت کو اگر استحکام ہوتا تو تجھ تک نہ آتی، جس طرح تجھ تک پہونچی تجھ سے آگے بھی اسی طرح بڑھ جائے گی۔

بیگم! یہ جھومر اور جھلنیاں، یہ گلوبند اور مالا، جو تم پہنے ہوئی ہو۔ خدا تم کو نصیب کرے۔ مگر جس کے لیے یہ چیزیں تیار ہوئی تھیں وہ زندہ ہے، اور اس کے جیتے جی یہ دوسرے کے سنگھار میں پہونچ گئیں۔ تم بھی میری طرح عورت ہو، اور سمجھ سکتی ہو کہ جب یہ جوڑا جو اس وقت تمہارے حسن کی بہار ہے (اور خدا کرے کہ ہمیشہ ہو) تیار ہوا ہوگا۔ تو اس کی جھوٹی مالک کو کس قدر خوشی ہوگی۔

تمہارے کانوں کی جڑاؤ بالیاں میری اماجان کے جہیز کی ہیں، اور یہ رومال جو اس وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میری ابتدائی زندگی کا ہمراز ہے، اس نے میرے ساتھ بیسیوں دن اور راتیں بسر کی ہیں۔ یہ مجھ کو ایک گھر کی ملکہ، اور ایک کنبہ کی بیگم دیکھ چکا ہے۔ اور اس وقت تمہارے ہاتھ میں، مجھ کو تمہارا ہاتھ تکنے والا دیکھ رہا ہے!

بیگم! غور کرنا اور سوچنا ان سب نے مجھ ہی سے وفا نہ کی جس کی پہلی ملکیت تھے۔ تو تم سے کیا خاک کریں گے۔ میں

خدانخواستہ تم کو کوستی نہیں مگر انقلاب جان کے ساتھ ہے۔ اور سب سے بڑا انقلاب موت ہے۔ جو سچے دربار میں کچا چٹھا کھولے گا۔

یہ دولت، وحشمت۔ یہ کیفیت و حالت تمھاری مہمان ہے۔ خلوص سے اس کی خاطر کرو تا کہ یہ مہمان جب تم سے رخصت ہو تو تمہیں بالکل فراموش نہ کرے۔

عصمت۔ سنہ ۱۹۱۴ء

ایک کنواری لڑکی کے چند گھنٹے

۲۴ ستمبر روز جمعہ۔ کل ۲۱ ستمبر کو تل بھر کم نہ پل بھر زیادہ۔ دن اور رات دونوں برابر تھے میں سب کاموں سے فراغت پا دس بجے پلنگ پر لیٹی۔ بہتیری کروٹیں لیں۔ مگر سر شام پڑا چھینٹا ہوا ہوئی بند۔ پچ پچی گرمی گھمس کا زور نیند کیسی بدن کا تیل نکل رہا تھا۔ مچھر اور پسو۔ گرمی اور کھٹمل ایک مصیبت ہو تو کہی جائے پڑا تو یہ تھا کہ ہوا بند ہوتی ہے تو مینہ برستا ہے مگر نہ مینہ برسا نہ اولے پڑے، خاک بھی کچھ نہ ہوا۔ حبس گھمس۔ اُمس جو کچھ بھی ہو ایک آفت تھی کہ جان اجیرن کر دی، اچھا ہو کسی عنوان چین پڑے ممکن نہیں دری چادر تکیہ بستر جو چیز تھی بھوبل میں جھلسی اور آگ میں تپی۔ آدھی کے قریب رات آنکھوں میں کٹ گئی مگر پلک جھپکنی تھی اور نہ جھپکی مچھروں کی بھنبھناہٹ نے اور بھی دم ناک میں کر دیا کشنیگس پاؤڈر کے نام سے مجھے قے آتی تھی کم بخت کی بو دماغ میں گھسی جاتی ہے۔ مگر اس وقت اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا، اٹھی دیا سلائی کا بکس چاروں طرف ڈھونڈا کونہ کونہ دیکھا اور چپہ چپہ ڈھونڈ ہا ٹکریں لگیں ٹھوکریں کھائیں مگر بکس نہ ملنا تھا، اور نہ ملا۔ شاباش ہے اماں جان کو اس گھمسان میں کہ مجھ کو تو اوڑھنی تک کاٹے کھاتی تھی وہ چین سے چادر اوڑھے یعنی تانے پڑی خراٹے لے رہی تھیں، دل میں تو آیا تھا کہ جگا دوں مگر کچھ ماں کی محبت کچھ ہمدردی اور انسانیت ساتھ ہی خیال آیا کہ دن بھر کی تھکی ہاری ذرا دیر آنکھ لگ گئی اپنے آرام کے لئے دوسرے کو تکلیف دینا سخت بے وقوفی ہے۔

با ورچیخانے میں گئی اِدھر اُدھر ٹٹولا خدا کا شکر ہے۔ ایک موکھے میں بکس رکھا تھا۔ لائی کمرہ کھولا بکس نکالا پاوڈر چھڑکا۔ تعجب بھی ہوتا تھا ہنسی بھی آتی تھی مچھروں کی یا تو وہ بھنبھناہٹ کہ کان کے پاس سارنگی بج رہی تھی یا ایسے رفو چکر ہوئے کہ گھر بھر میں پتہ نہ تھا۔ اِدھر تو یہ ہوا اُدھر ایک گھنٹہ بھر ایسا موسلا دھار پانی پڑا کہ پرنالے تک بہ نکلے ہوا ہوئی ٹھنڈی گرمی ہوئی کم آنکھوں میں نیند تو بھری ہی ہوئی تھی ایسی گھوڑے بیچ کر سوئی کہ بادل بھی کڑکے بجلی بھی چمکی مگر مجھ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ میں تو یہ سمجھ کر سوئی تھی کہ رات آئی ہے زیادہ نیند میں ہو رہی ہوں غنیمت، صبح کی نماز قطعی گئی۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے پڑی ہوئی عادت تھی، یا اللہ کی عنایت آنکھ کھُلی تو پو پھٹ رہی تھی۔ کیسا سُہانا وقت تھا بیان نہیں کر سکتی۔ چاروں طرف نُور برس رہا تھا نیم کی ڈھلی ڈھلائی ٹنیاں قمریوں کی مؤثر صدائیں اس صانع حقیقی کا پتہ دے رہی تھیں جس کے حضور میں ایک روز حاضر ہونا ہے۔ ضروریات سے فارغ ہو وضو کیا اور نماز کو کھڑی ہوئی، ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے اور صبح کا سناٹا خدا کی عظمت دل میں بیٹھی جاتی تھی پڑھ چکی تو دل پھائی۔ کلام مجید کھولا چھوٹتے ہی اس تفسیر[1] پر نظر پڑی۔ اے لوگو (مردوں اور عورتوں) دنیا کے تمام کام کسی نہ کسی بھروسے پر کرتے ہو زبان میں قوت ہے بولنے کا ارادہ کرتے ہو۔ ہات پاؤں میں سکت ہے چلتے پھرتے ہو۔ سونگھتے ہو چکھتے ہو لیتے ہو دیتے ہو غرض جو کچھ بھی کرتے ہو کسی نہ کسی بل پر یا مگر یہ تو بتاؤ اللہ کے ساتھ جو کچھ کرتے ہو یہ کس برتے پر؟ تمہارا کوئی وجود نہ تھا تم کو زندگی دی تھوڑے دن بعد مار ڈالیں گے اس کے بعد پھر جلائیں گے، تم سب کو

[1] کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ

اُسی طرف رجوع کرنا ہے۔ دل کی حالت تو پہلے ہی ابتر تھی اتنا دیکھتے ہی بے اختیار آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے شروع ہو گئے، ایک آدھ گھنٹے تک یہ کیفیت رہی کہ تن بدن کا مطلق ہوش نہ تھا۔ سات بجے ہوں گے کوٹھے سے نیچے آئی سب سے پہلے تازہ باسی پانی الگ کیا۔ کل ہی کا تو ذکر ہے، اتا جان نے مردانے میں پانی منگوایا گھڑو نچی نہ لٹکن پانی اونڈیلتی ہوں تو بالکل اَدھن۔ پانی بھیجنا تو درکنار ہیں تو پانی کے نام سے پانی پانی ہو گئی، مگر ہو ہی کیا سکتا تھا شرمندہ ذلیل اپنی عقلمندی پر لعنت بھیجتی اور حماقت پر غصہ کرتی اُٹھی، کھولتا پانی باہر بھیجا گلاس تو جوں کا توں واپس آ گیا۔ مگر مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اُس وقت سے عہد کیا کہ سقّے کے آنے سے پہلے اتنا کام کر لوں، ایسا نہ ہو کہ پھر تازہ باسی ایک ہو جائے۔ گھر کا نام نکلتا ہے۔ اس درجہ رسوائی اور ایسی بدنامی نوج کسی گھر کی ہو۔ پانی سے فارغ ہوئی تو بچوں کے بچھونے تہ کر کے اندر کوٹھری میں رکھے۔ خدا معلوم وہ کس طبیعت کی لڑکیاں ہیں کہ صبح سو کر اُٹھیں، اور اپنا ہاتھ موٗنھ دُھو دُھلا بن سنور بیٹھ گئیں بچھونا پڑا جھک مار رہا ہے۔ تو بلا سے بڑی عنایت کی تو اوندھا سیدھا لپیٹ لپاٹ پائینتی پٹخا کروٹ میں رضائی لٹک رہی ہے۔ اَدوان میں دری اٹک رہی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب اپنی چیز کو ہم آپ ہی قرینے سے نہ رکھیں گے تو کون رکھے گا۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گھر کا بھرم نہ کھُلے، میلے کچیلے ثابت پُرانے جیسے بچھونے ہوئے اُٹھائے رکھ دیئے کسی کو کیا خبر کہ ہوی کی چادر سفید ہے، یا پھٹی لیر یاں بچھونے سے چھٹکارا پایا تو ہاتھ میں جھاڑو لی رات کو آ گئے تھے خربوزے۔ بچّوں نے کھائے بھی اور پھیلائے بھی دالان میں چاروں طرف بیج ہی بیج نظر آ رہے تھے، ماما کی راہ میں کب تک

بیٹھی رہتی اتفاق ہی تو ہے جو کہیں اس سے پہلے کوئی آ یا گیا میں ملاپی ادھر آ نکلا تو بھگلی بھی نہیں۔ کوڑا میٹ سماٹ صحن کے کونے پر ڈالا اتنے میں بڑی بی آ گئیں ابا جان چار پانچ روز سے شکایت کر رہے تھے کہ روٹیاں اچھی نہیں پکتیں پھیلی پھیلی، اور چھدری چھدری آٹا تول کر اُن کے حوالے کیا، اور سامنے بیٹھ کر دیکھنے لگی کہ آخر یہ کارستانی کرتی کیا ہیں غور سے دیکھا تو عقدہ کھلا کہ بڑی بی ساٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیا شہر میں رہتے سہتے قرنوں ہو گئے، مگر انھوں نے تو بچوں کو بھی مات کیا، شروع میں تو وہ پورے ہاتھ کہ الٰہی توبہ، جب آٹا ٹھہرنے پر آیا، تو لگیں ٹکّی دینے۔ پھٹکیاں پڑ گئیں کچھ دیر تک تو میں بیٹھی منہ تکتی رہی مگر پھر پوچھا۔ بھلا بڑی بی کہیں دُنیا جہان میں آج تک سُنا ہے کہ ٹھہرنے پر آئے تو ٹکّی دو تھپکی دیتیں جو آٹا ٹھہرتا۔ ٹکّی دی دیکھ لو کیسی پھٹ گئی۔ روٹیاں تو آپ سے آپ ہی سوکھی ہوئی کھنکرہ اور جلے ہوئے ٹکڑے ہوں گے تو تم جلدی سے آگ سُلگا کر یہ رات کا سالن گرم کر لو۔ گرمی کے دن ہیں ایسا نہ ہو سڑ جائے۔ بڑی بی آگ سُلگانے اُٹھیں تو اُپلوں کا الاؤ جھونک دیا، پتیلی گرم کر کے نیچے اتاری اور لگیں زردہ کھانے آگ ہے کہ دہڑ دھڑ جل رہی ہے آخر مجھے کہنا پڑا اچھی بڑی بی پرایا سر دیوار کی جگہ یہ ایک اوپلا یوں ہی خالی گیا۔ تم نے گھی ہی رکھ دیا ہوتا چھیاں ہی چھیاں تالاب بھرتا ہے۔ جن کو کوڑیوں کی قدر نہیں، وہ روپے کے مالک کیا خاک ہوں گے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ خالہ جان ڈولی سے اُتریں اور دروازے ہی سے یہ کہتی ہوئی آئیں اللہ بی انجم یہ مسلمانی اور آنا کانی کریب کے ڈوپٹے پر سبز بوٹیاں تو خوب بنائیں۔ محلے میں گھر دہاک ہو رہی ہے۔ موئی منہیاری تک کو دکھاؤ، اور نہ خبر کرو تو مجھ کو اکیا تھا، اگر فہیمن ہی کے ہاتھ کھڑے کھڑے بھیج دیتیں میں اُس کے ستارے تھوڑی توڑ لیتی مگر بُوا وہی کہاوت تو ہے۔ آنکھیں ہوئیں اوٹ دل میں آئی کھوٹ میں تمہارے محلے کی رہنے سہنے والی ہوتی

دوڑ کر آتیں، اور پھڑک کر دکھاتیں"۔ میں دوڑ کر خالا جان سے گلے ملی اور کہا توبہ خالا جان قربان کیا تھا وہ دوپٹہ آپ کیا فرما رہی ہیں، دوپٹہ بھی آپ کا، لونڈی بھی آپ کی، ابھی حاضر کیا۔ اتنا کہہ کر میں اندر گئی، اور بقچی کھول دوپٹہ لائی، الٹا پلٹا کونے ترنج کنارہ بیل سب دیکھ چکیں تو پوچھنے لگیں "منجھلی بیگم دوپٹہ تو دوپٹہ ہی ہے۔ خدا پہنتا پھاڑتا نصیب کرے الٰہی ایک یہ اور ہزاروں اور اچھی انجم سچ بتائیو کر یب کیا بھاؤ لی" میں نے کہا خالہ جان ڈھائی روپے گز"۔ میری طرف غور سے دیکھا، اور کہنے لگیں" لڑکی ہوش کے ناخن لے ایک تو نوکر یب اوڑھنے والی بگڑی ہے، ہم نے تو چونڈا دھوپ ہی میں سفید کیا کبھی کریب دیکھی تھوڑی ہے۔ روپیہ نہیں سوا، سوا نہیں ڈیڑھ اے لوپنا بھی تو کچھ نہیں آدھ گز کا عرض، تین پاٹ کا دوپٹہ ہزارہ بیس روپیہ کا بیٹھا۔ لڑکی دیوانی ہوئی ہے کسی آنکھوں کے اندھے کو چرائیو خیر وہ جلنے کا بھی ہو۔ اللہ نصیب کرے، مگر یہ تو بتاؤ تو ٹی نہ ٹھپہ کرن نہ بانکڑی یہ کم بخت انگریزی بیل، اور بمبئی کا کنارہ خدا کی قسم انجم تو نے نوکر یب کو بھی لاج لگا دی"۔ میں نے عرض کیا خالہ جان یہ آپ کا فرمانا نہایت درست ہے۔ جتنا گڑ ڈالو اتنا میٹھا، وہ اور چیز ہے، بھلا خیال تو کیجیے اس گرمی میں اپنی ہی جان سنبھالنی مشکل ہے۔ تو ٹی ٹھپے کا بوجھ اور بھی دوبر ہو جائے گا، یہ تو دیکھیے کہ مٹھی بھر روپے دو، اندر تو بتیس اٹھو آٹھ کوڑیوں کے مول اس کو دیکھیے ہلکا پھول خوبصورت بھلا [illegible] کا صوفیانہ مجھے اس کی پسندیدگی میں انکار نہیں، مگر ایسا فضول روپیہ کس کے پاس رکھا ہے جو ایسے کاموں میں اینڈ کرے"۔ اب بارہ بج چکے تھے میں نے کھانا کھایا، اور کتاب انہوں پڑھنی شروع کی

الزہراؑ

ایسے نازک دور میں جب مغربی طوفان چمنستان مشرق کو پامال کررہا ہے، اور اگلی خوبیاں حالت نزع میں ہیں اشد ضرورت ہے، کہ لڑکیوں کی نگاہ سے وہ کتابیں گذریں جو اُن کو سعادت مند بیٹی، سلیقہ شعار بیوی۔ فرض شناس ماں۔ اور سچی مسلمان بنا دیں اس قسم کی کتابوں میں الزہرا یعنی بنت الرسول۔ خاتونِ جنت سیدہ النسا حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا کی سوانح عمری خاص اہمیت رکھتی ہے جو علامہ راشد الخیریؒ نے بڑی محنت سے کئی سال میں لکھی تھی، تاریخ میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ علاوہ الزہرا بتائے گی کہ میاں بیوی کس طرح رہتے ہیں۔ مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں۔ دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے۔ باپ بیٹیوں کے کیا تعلق ہوتے ہیں اور انسانی ہستی کیا معنی رکھتی ہے۔ الزہرا فسانہ نہیں بنت الرسول کے حالات و سوانح ہیں، اور یہ واقعات ایسے درد انگیز پیرایہ میں لکھے گئے ہیں، کہ پڑھتے پڑھتے ہچکی بندھ جاتی ہے۔ باوجود مورخانہ حیثیت کے اس قدر دلچسپ ہے۔ کہ بار بار پڑھنے سے بھی نیت سیر نہیں ہوتی۔ خاتمہ پر شہادت اہل بیت پر بھی بحث ہے، میدان کربلا کا حال اور مصور غم کا قلم محرم کا بیان، اور حضرت علامہ مغفور کی زبان، ہر صفحہ تیر کی طرح کلیجہ کے پار ہوجاتا ہے۔ حال میں

الزہرا نویں دفعہ چھپی ہے

اور خاص اہتمام کے ساتھ بہترین چکنا ولایتی کاغذ، عمدہ لکھائی ضخامت قریباً سوا سو صفحے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

ملنے کا پتہ۔ دفتر عصمت دہلی

یادگار مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

رسالہ عصمت دہلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف با تصویر ماہوار رسالہ ۲۸ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ عصمت ہندوستان کے مشہور ادیبوں اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے۔ عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔ سالانہ چندہ چار روپے (للعہ)۔

رسالہ بنات دہلی

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے سنہ ۱۹۲۷ء میں یہ ماہوار رسالہ مسلمان لڑکیوں کے لئے جاری فرمایا تھا۔ نو سال میں اس کا کسی ایک ماہ کا پرچہ بھی ایک دن کی تاخیر سے شائع نہیں ہوا۔ عصمت کی طرح بنات بھی پابند وقت ہے۔ لڑکیوں اور بچیوں کے لئے بہترین مضامین سبق آموز نظمیں۔ مزیدار کہانیاں شائع کرتا ہے۔ زبان اتنی آسان کہ گیارہ برس تک کی بچیاں سمجھ سکتی ہیں۔ سال میں ایک خاص نمبر شائع ہوتا ہے بنات باتوں ہی باتوں میں لڑکیوں میں مذہبیت پیدا کر دیتا ہے۔

سالانہ چندہ ایک روپیہ جو بذریعہ منی آرڈر بھیجا جائے۔ بذریعہ وی۔پی عہ۔ نمونہ مفت

منیجر عصمت و بنات دہلی